بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومی ریاست ایک رَجعت پسندانہ سوچ، انسانیت پر اس کے تباہ کُن اثرات

بلال المہاجر

اُنیسویں صدی کے آواخر میں مغربی تہذیب کے دلدادہ نیم تعلیم یافتہ اشخاص کی طرف سے ایک فکر کی حیثیت سے قومی ریاست nation state کی طرف دعوت نے ریاستِ خلافت پر تباہ کُن اثرات مرتب کیے۔ مغربی قومی ریاست کی سوچ کے زیرِ اثر 1876ء کا دستور بنایا گیا، اِس دستور کی رو سے عثمانی رشتے کو اس جدید رشتے کے لیے ایک اساس کے طور پر اپنایا گیا، یہ جدید رابطہ ایسا تھا جو مختلف قومیتوں اور لسانی اختلاف کے باوجود ریاست کے تمام شہریوں اور رعایا کو، بنا کسی استثناء کے، اس بنیاد پر جوڑتا تھا کہ وہ سب عثمانی قومیت کے حامل ہیں۔ اس دستور نے نسلی رشتوں کے ظہور کا دروازہ کھول دیا کیونکہ اس کے بعد اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں طورانی اور عرب قومیتوں نے سر اُٹھالیا۔ اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اپنے آپ کو اصلاح پسند کہنے والے مغرب کے دُم چھلے اور مغربی فکر سے متاثر لوگوں نے، بقول آسٹرین مفکر Bischoff "آگ اور پانی کو یکجا کرنے" کی کوشش کی۔ اُنہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ عثمانی ریاست کو مغربی تہذیب کے ذریعے اٹھانا اور طاقتور بنانا چاہتے ہیں، مگر انہوں نے جو کارنامہ سرانجام دیا وہ یہی تھا کہ اُنہوں نے خلافت کو مسلمانوں کی عمومی ریاست سے تبدیل کر کے ایک ایسی حکومت کی شکل میں ڈھالا جو رومن امپائر سے بہت مشابہت رکھتی تھی، اور اس بات کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا کہ اسلامی ریاست کُرۂ ارضی کے تمام اقوام کے لیے ہے، جس میں کسی بھی نسل کے افراد کو دوسروں پر کوئی برتری اور فضیلت حاصل ہوتی ہے، نہ ہی ریاست کو کسی قومی یا نسلی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ انہوں نے 1876ء کے دستور کے ذریعے کیا تھا۔ اس قانون نے اس بات کو رواج دیا کہ ریاست کے تمام باشندے عثمانی کہلائے جائیں گے، اور یہ کہ ریاست کا مملکتی مذہب اسلام اور سرکاری زبان ترکی ہوگی، یہ سب کچھ مغرب کی "نیشن اسٹیٹ" کی اندھادھند نقل تھی۔

سلطان عبدالحمید دوئم رحمہ اللہ نے اپنی سلطنت کے پہلے سال کے تجربہ کے بعد اگرچہ 1876ء کے دستور کو تلپٹ کر کے رکھ دیا تھا، مگر جس رشتے میں اسلامی ریاست اپنے آخری ادوار میں اپنے باشندوں کو جوڑتی رہی تھی، اُس رشتے کی سوچ اس کے دل ودماغ پر سوار رہی۔ چنانچہ سلطان عبدالحمید دوئم نے عثمانی ریاست کو اس سے بچانا چاہا۔ اس کے لیے انہوں نے عثمانی رابطہ کی جگہ اسلامی لیگ یا رابطۂ اسلامی کو بنیاد بنانا چاہا، لیکن یہ بھی بجائے خود مغربی سوچ سے متاثر ہونے کی دلیل تھا، کیونکہ اسلامی ریاست ایک دن کے لیے بھی اس قسم کے روابط کے ساتھ جُڑی یا ان پر کھڑی رہی، نہ ہی مسلمان کسی بھی زمانے میں "اپنی ریاست" کی بقا کی خواہشمند رہے، اگر ایسی کوئی خواہش ان کی تھی تو اس یقین کی وجہ سے تھی کہ اسلام ایک دین ہے، ریاست اس کا جزو ہے، اور اسلام کو حکمران کے بغیر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ انہی تصورات اور اعتقادات کے سبب مسلمانوں نے اپنی ریاست کی حفاظت کی اور اس کے ساتھ اپنی وفاداری نبھاتے رہے۔ اسلامی لیگ وغیرہ کے افکار مغربی فکر یا نیشن اسٹیٹ کے تصور سے متاثر ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔

ابتداء میں جس امر کو عثمانی رشتے کا نام دیا گیا، اس کو ایجاد کرنے کی کوشش ایک طرح کی پیوندکاری یا اسلامی ریاست اور قومی ریاست کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی ایک جدوجہد تھی، جو اس زمانے میں مغربی یورپ میں عُروج پر تھی۔ اُن دنوں یہ سوچ مشرقی یورپ، بشمول بلقان کی طرف اپنا راستہ بنانے لگی تھی۔ بلقان عثمانی ریاست کی ایک طفیلی ریاست تھی۔ نیز یہ ان شرعی احکامات کو لپیٹ کر نظر انداز کردینے کی کوشش تھی جو ریاست اور اس کی اسلامی رعایا کے درمیان تعلقات کی بندوبست سے متعلق ہیں، کیونکہ اس رشتے کے مطابق وطنیت کا قانون بنایا گیا، جس کا منبع ریاست کے اندر سیاسی تعلقات کے بندوبست کے حوالے سے مخصوص عمرانی معاہدہ Social Contract تھا۔ عثمانی ریاست میں عثمانی عصبیت پر زور دے کر قومی ریاست کی نقل کرنے کی جو روش اپنائی گئی تھی، اس کی وجہ سے اصلاح پسندوں نے اسلامی ریاست کو زوال کے دہانے لا کھڑا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا وجود اسلامی تصورات کے ساتھ نہیں جوڑا گیا تھا، جو اسلام کے نفاذ اور اس کو ایک عالمی پیغام کے طور پر پیش کرنے کے لیے ریاست کی موجودگی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اب ریاست اپنے وجود کے جواز کے لیے وطن اور ہم وطنی کے اصول کا سہارا لینے لگی، سلطان یا حاکم کو اب عوام یا اُمّت کا نمائندہ ہونے کی بنا پر سندِ جواز فراہم کیا جانے لگا، جیسا کہ قومی ریاست کے سایے تلے مغرب میں ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے وطنی اور قومی تحریکوں کے لیے اپنے قومی اور وطنی نعرے بلند کرنے کے لیے دروازے چوپٹ کھل گئے۔ اسی سے نسلی قومیت نے شعلہ لیا۔ جب کہ عثمانی ربط ورشتے جیسا رشتہ، جس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا، موجودہ نسلی رشتے کے اپنے مخصوص مزاج میں ظاہر ہوئے بغیر پیدا کرنا مشکل تھا، بالخصوص اس فکری انحطاط کے دور میں جو اُس زمانے میں اُمتِ مسلمہ پر چھایا ہوا تھا۔ کیونکہ 1976 کے دستور نے عثمانی ربط ورشتے کے اعتراف کے ساتھ، بھلے یہ اعتراف غیر ارادی طور پر ہی سہی، برادریوں اور قومیتوں کو بھی سیاسی تنظیم سازی کے لیے ایک بنیاد قرار دیا، یہ سیاسی تنظیم سازی ایگزیکٹو باڈی کے فریم کے اندر تھی، جسے ریاست کے نام سے جانا جاتا تھا۔

عثمانی ریاست کے انہدام اور سقوطِ خلافت کے ساتھ، جس میں قومیت اور وطنیت کے نعروں کا بڑا کردار تھا، قومی ریاست کی تباہ کن سوچ کے اثرات ختم نہیں ہوئے، کیونکہ وہ تمام چھوٹی چھوٹی ریاستیں، جنہیں استعماری کافروں نے خلافت کے ملبے کے اوپر کھڑا کیا تھا، نے پبلک لا کے تحت قومی اور وطنی ریاست کی سوچ کو اپنے لیے ایک اساس قرار دیا، جس سے وہ اپنے وجود کے لیے جواز حاصل کریں گی۔ چنانچہ استعماری کافروں کے لئے اب ان ریاستوں کے اندر بے چینی کی صورتحال پیدا کرنے اور قومی ریاست کی سوچ اور ہم وطنی یا عمرانی معاہدے کی فکر کے درمیان امتزاج سے نتیجے کے طور بر آمد ہونے والی کمزوری کے ذریعے، اُن کے اُمور میں مداخلت کرنے کے لیے اقلیتی گروہوں کی موجودگی سے فائدہ اٹھانا آرام تھا۔

میں اس حقیقت کو ایک اقتباس کے ذریعے مختصر بیان کرنا چاہوں گا، یہ اقتباس "عراق 1920 اور 1930 کے درمیان" سے متعلق برطانوی ریسرچ سکالر راجر اوین کے ایک لیکچر سے لیا گیا ہے، یہ لیکچر اس نے 1993ء میں عراقی کلچرل پلیٹ فارم کی طرف سے منعقدہ کانفرنس میں دیا تھا۔ اس کا عنوان تھا "قومیت، اس کی نشوونما، نظریات، اعتراضات اور مسائل"۔ اوین نے کہا: "پہلی عالمی جنگ کے بعد جب برطانیہ نے جدید ریاست کا اعلان کیا، تو اکثریت اور اقلیت کے مسئلہ کھڑا ہوا، اسی طرح کمیونٹیز کی تعریف اور ان کی نئی شناخت کی تعیین پر اختلافات سامنے آئے، وہ کہتا ہے: 1930 کے بعد عراق کو باضابطہ طور پر تسلیم کیا گیا، اور شناخت کا مسئلہ دوبارہ کھڑا ہوا۔

قومی ریاست کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے "ایک ریاست کے فریم میں کسی مخصوص قوم کا ایک سیاسی نظم"۔ مغربی قانون دان اور سیاسی نظاموں کے ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ریاست کا تین عناصر پر مشتمل ہونا ضروری ہے: لوگ، زمین اور ان دونوں پر عمومی اختیارات۔ اور قومی ریاست تین عناصر کے پائے جانے پر تشکیل پاتی ہے:

1- یہ کہ وہ زمینی سیاسی سرحدوں کے اندر قائم ہو، اس کی بنیاد پر وہ مادی قوتوں کی ملکیت کا جواز سمیٹ لیتی ہے، تعلقات منظم کرنے اور تنازعات کو ختم کرنے کا اختیار حاصل کرتی ہے۔

2- دوسرا عنصر کسی ایک قومیت کی تاریخی یا ثقافتی و تہذیبی عامل کی موجودگی۔

3- تیسرا عنصر دفاع، لازمی تعلیم اور جنرل ٹیکس وصول کرنے کا حق۔

تاریخ کے مطابق قومی ریاست سب سے پہلے انگلینڈ میں سترھویں صدی میں قائم ہوئی، پھر اٹھارھویں صدی کے اواخر میں فرانس میں، اور اُنیسویں صدی میں جرمنی اور اٹلی میں قائم ہوئی۔ حقیقت میں اگرچہ قومی ریاست کا سنگِ بنیاد ویسٹ فیلیا کانفرنس 1648ء میں ہی رکھا گیا تھا، جس میں عالمی توازن کا نظریہ پیش کیا گیا تھا، جس کے مطابق اگر کوئی ریاست دیگر ریاستوں کے وجود کے لیے خطرہ بن کر توسیع کی کوشش کرے گی، تو تمام ریاستیں اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اکٹھی ہو کر دفاع کریں گی، تاکہ عالمی توازن کی حفاظت کی جائے، جو جنگ روکنے اور امن عام کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

جہاں تک مارکسی تعلیمات کا تعلق ہے، تو اس کے مطابق قومی ریاست کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ جاگیردارانہ یا سرمایہ دارانہ ظلم کے خلاف عوامی انقلابات کا نتیجہ ہوتی ہے، اور یہ سرمایہ دارانہ حکومتوں کی قومی بورژوا Bourgeoisies کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ قومی آزادی کے اس مرحلے میں کیمونسٹ پارٹی کی قیادت تلے پرولتاری (مزدور) proletariat تحریک کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اکثریتی قوتوں کے ساتھ جُڑ جائے، کیونکہ وہی میدان کا طاقتور ترین طبقہ ہے۔ ان کی تعلیمات کے مطابق سرمایہ دارانہ قومی ریاست بیرونی طور پر عنقریب استعمار کی جانب اور داخلی طور پر ظلم و ستم کی طرف چلنے لگتی ہے، اس لیے حقیقی قومی آزادی اور قومی ریاستوں کے درمیان سرحدوں کا خاتمہ صرف مزدور طبقہ (پرولتاریہ) کے حکمرانی تک پہنچنے سے ہو گا۔ چنانچہ اس سے اس بات کی ضرورت سمجھ میں آتی ہے کہ اشتراکی (سوشلسٹ) ریاستیں دیگر اقوام کی قومی آزادی کی تحریکوں کی پشت پناہی کرتی ہیں۔

چونکہ درست عقلی تحقیق ہی درُست نتیجہ یا ایک حقیقت کے بارے میں صحیح فیصلے تک پہنچاتی ہے، ایسی تحقیق جو کسی حقیقت کو محسوس کرنے اور سابقہ معلومات کے ساتھ اس حقیقت کے ربط کو سوچ کی بنیاد بناتی ہے، مادہ کو سوچ کا منبع نہیں بناتی، چنانچہ قومی ریاست کی حقیقت کو بھی اسی اساس پر دیکھنا ضروری ہے۔ اس طرح اس حقیقت کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ قومی ریاست کی سوچ ایک رجعت پسندانہ سوچ ہے، جس نے انسانوں کو قومی اور قبائلی رشتوں کی طرف دھکیلا، یا وطنیت کی طرف، خواہ کتنی ہی اچھی صورت میں ہو، ان سب کو قومیت کے روابط کا نام دیا جاسکتا ہے، اسی سوچ نے قومیت، فاشزم اور نازی ازم کی راہ ہموار کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قومی ریاست کی سوچ اپنی ہلاکت کے اسباب کو اپنے ساتھ لیے پھرتی ہے، یہ ان تمام مشکلوں سے نظر آتا ہے، جو حقیقت میں اس فکر کو نافذ کرنے کی کوششوں کے دوران نمودار ہوتی ہیں۔ یہاں اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے کہ انسانی تعلقات کو منظم کرنے کے لیے ریاست ہی ایک ڈھانچہ ہے جس تک انسانی سوچ کی رسائی ہوئی ہے، لیکن قومی ریاست کی سوچ کے نفاذ کے ساتھ خواہ یہ نفاذ جزوی شکل میں اور اقلیتوں کے حقوق کو چھیڑے بغیر ہی کیوں نہ تھا، مختلف مشکلات، ظہور پذیر ہوئیں۔ یہ اس لیے کہ یہ بات ناممکن سی ہے کہ کوئی ملک مختلف قومیتوں سے خالی ہو، چونکہ لفظ قومیت لاطینی لفظ Natio سے نکلا ہے، جس کے معنی قومیت یا کسی قومیت کی طرف نسبت کے ہیں، اس بنا پر قومی ریاست، جیسا کہ اس کی یورپین تعریف ذکر کی گئی ہے؛ یہ کسی ایک قوم کی ریاست ہوتی ہے، جہاں اس قومی ریاست کی جغرافیائی حدود کے اندر کسی اور قوم کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اور اٹل جغرافیائی حدود ہی تمام عوامل میں سے وہ پہلا عامل ہیں جن کی تکمیل ریاست کے لیے ضروری ہوتی ہے تاکہ اس کو ایک قومی ریاست کا نام دیا جاسکے۔

دوسرے عامل یعنی تہذیبی و ثقافتی عامل کے حصول کے لیے، جس کا حصہ زبان و تاریخ بھی ہیں، ضروری ہے کہ قومی ریاست اقلیتوں کا نسلی صفایا کر کے ان کو کچلنے یا مقتدرہ قومیت میں مدغم کر دینے پر کام کرے، چاہے یہ اقلیتیں قدیم زمانے سے موجود اصل اقلیتیں ہوں، جو اس ملک کے اندر قومی ریاست کے قیام سے قبل موجود ہوں، جیسے مشرقی یورپ میں جرمن اقلیتیں، اور یورپ میں بسنے والے یہودی اور جپسی وغیرہ، یا وہ اقلیتیں ہوں جنہوں نے دورِ حاضر میں قومی ریاستوں کی طرف ہجرتیں کیں، جیسے مغربی دنیا میں آکر بسنے والے آج کل مسلمانوں کی حالت ہے۔

قومی ریاست میں وہاں کی غالب قومیت راج کرتی ہے، جس کی وجہ سے تہذیب و ثقافت کے تحفظ کے نام پر، جس میں اس غالب قومیت کی تاریخ و زبان بھی شامل ہیں، تباہی اور ادغام (amalgamation) لازمی قرار پاتا ہے۔ نیز جب اس قوم پرست سوچ کو نافذ کیا جاتا ہے، تو اس سے حقیقی مسائل جنم لیتے ہیں، جیسے اقلیتوں کا مسئلہ، جو قومی ریاست کا حتمی نتیجہ ہے، بشمول اس کے کہ قومی ریاست اس عمرانی معاہدے social contract کی فکر سے بھی متناقض ہے، جو مغربی فکر کا شاخسانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے فریم ورک میں جمہوری حکومت

کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ اس عمرانی معاہدہ کے مطابق افراد کے ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ اور خود مختار روابط ہوتے ہیں، یہ روسو Rousseau تھا جس نے اسے عمرانی معاہدہ کا نام دیا تھا۔ فرد اور ریاست کے درمیان اس معاہدے کی اساس پر، وفاداری ریاست کے لیے ہوتی ہے، اور ریاست اور فرد کے درمیان تعلقات بنتے ہیں۔ یہ تعلق یعنی ہم وطنیت قومی ریاست کی فکر کے ساتھ ٹکراتا ہے، جو نسلی یا قومی نسبت کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ فرانسیسی انقلاب نے، جو فرانس میں قومی ریاست کے ظہور کے دور میں برپا ہوا تھا، قومیت کی تعریف کو تلپٹ کرنے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس انقلاب نے قومی ریاست اور معاہدہ عمرانی کو یکجا کرنا چاہا، چنانچہ فرانسیسی انقلاب کے گمان میں یہی تھا کہ وہ ایک جدید قوم کی تاسیس کر رہا ہے، جس کا بائیولوجیکل منبع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا واحد منبع ہم وطنوں کی طرف سے آزادانہ فیصلہ ہے، جو بغیر کسی روک ٹوک کے اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کے سایے میں مشترکہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، اور یہ وہی امر ہے جو مغربی افکار میں عوام کی بالادستی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی بنا پر فرانسیسی قومی انقلاب نے یہ مشہور کیا تھا کہ یہ آئیڈیالوجیکل (نظریاتی) معاشرے کی قومیت ہے، آزاد اختیارات کی حامل قومیت، ہم وطنوں کی قومیت، اور یہ وہ حقیقی قومیت نہیں جو کسی خاص نسل سے تعلق رکھتی ہو، نہ ہی یہ پرانے لوگوں کی قومیت ہے۔ اس طرح فرانسیسی انقلاب نے جدید فرانسیسی قومیت کی اس جدید تعریف کے ذریعے فرانس کے یہودیوں کو بھی عوام یا فرانسیسی قومیت میں ضم کرنا ممکن بنایا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی مسائل جو قومی ریاست کے نفاذ کے ساتھ رونما ہوئے تھے، قومیت کی اس جدید تعریف کی بدولت ختم ہوگئے، جو قومیت یا نسلی قومیت کی حقیقت سے متناقض تعریف ہے، کیونکہ اس کے بعد بھی بالخصوص فرانس جیسی ریاست میں فرانسیسی قوم کے لئے تہذیبی و ثقافتی ورثہ کی حفاظت کا مسئلہ برابر قائم رہا۔ یہ بات یورپی اقوام بالخصوص فرانسیسیوں کی ان پالیسیوں سے واضح ہوتی ہے، جو وہ عالم اسلام سے نئے وارد ہونے والوں کے لیے بناتے ہیں، سو وہ اگرچہ اپنے اوپر فرانسیسی دستور کے مطابق فرانسیسی قوانین کے نفاذ کو تسلیم کر لیتے ہیں، نیز وہ ہم وطنیت کو اپنے اور فرانسیسی ریاست کے درمیان ایک معاہدہ کے طور پر قبول کر لیتے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ریاست میڈیا اور ثقافتی مہم کے ذریعے مسلمانوں کو فرانسیسی معاشرہ یا ان کی تعبیر میں فرانسیسی قومیت میں مدغم کرنے کے لیے ان کے تعاقب میں لگی رہتی ہے، بلکہ فرانسیسی ریاست نے کھیل کے قوانین ہی بدل ڈالے۔ ریاست کی سوچ یہ ہے کہ قوانین مسلط کر کے مسلمانوں کو تہذیبی لحاظ سے فرانسیسی معاشرہ میں مدغم کیا جائے، چنانچہ ہم وطنیت یا وفاداری کے قانون کے لیے نئی شرائط لاگو کی گئیں۔ چنانچہ فرانس میں مسلمانوں کے سامنے دو آپشن رکھے جاتے ہیں، یا تو وہ ہم وطنیت کے قوانین کی پابندی کریں، یا پھر وہ ہم وطنیت اور ماتحتی سے دستبردار ہو جائیں۔ حالانکہ ان کا تو دعویٰ یہ ہے کہ بالادستی عوام کی ہے، اور عوام ہی قوانین بناتی ہیں، تو ان کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ فرانسیسی انقلاب کے بعد ان کی جدید تعریف کے مطابق جس قومیت کو انہوں نے ایجاد کیا تھا، وہ اس کے برخلاف قوانین میں ردّوبدل کریں، حالانکہ فرانسیسی قوم کا ایک بڑا طبقہ اس کی مخالفت کرتا ہے؟ یہ ناممکن تھا اگر غالب نسلی اکثریت جو فرانسیسیوں سے ہی مل کر بنی ہے، اپنی قومی ریاست کے تحفظ کی خاطر معاشرے کو انہی کے مخصوص تہذیبی و ثقافتی رنگ میں رنگنے کی خواہشمند نہ ہوتی، کیونکہ صرف اسی صورت میں ہی قومی ریاست کے عناصر اس کے اندر مکمل طور پر پائے جائیں گے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قومی ریاست اور عمرانی معاہدہ کو آپس میں خلط ملط کرنے کی غرض سے قومیت کی جدید تعریف پر ان کا اتفاق اس مشکل کا مداوا نہیں تھا۔ یہ فقط ایک نامعقول بات تھی جس کا جھوٹ اتنا واضح ہے کہ اس کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ قومی ریاست کی سوچ صرف نفاذ میں ہی نہیں بلکہ اپنی بنیاد میں باطل اور لغو سوچ ہے۔

قومی ریاست کی سوچ ایک رجعت پسندانہ سوچ ہے جس نے نسلی و قومی نسبتوں کی بنیادوں پر لوگوں کے درمیان تفریق پیدا کی، اور زمین کے باشندوں، بشمول اس کو اپنانے والوں پر مصائب اور حادثات لے کر آئی، یہ قومی فخر وغرور کی پرورش کرتی ہے، چنانچہ اس سوچ نے اس ریاست کے بااختیار لوگوں کے لیے اپنے ہم وطنوں کے اندر قومی اور وطنی جذبات ابھار کر ان کو سرمایہ دارانہ استعماری مفادات کی خاطر جنگوں میں جھونک دینے کی تحریک سہل بنادی، اسی سے نسلی صفایا اور جبری ثقافتی ادغام جیسے مسائل نے جنم لیا، اور انسانی معاملات نے وہ شکل اختیار کرلی جو قبل از اسلام کے زمانے میں تھی۔ چنانچہ قومی ریاست کی سوچ تسلط، قبضہ اور استحصال کی سوچ ہے، چہ جائیکہ یہ قوموں کے درمیان تعلقات کی بُنیاد بن جائے۔

اسلام کی نظر میں قومیتوں اور قبائل کا مقصد باہمی جان پہچان اور تعارف ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ). "اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔" (الحجرات-13)

اسی طرح اسلامی ریاستِ خلافت کو گرانے میں قومیت کا بہت اثر تھا، خلافت کو ڈھا دینے کے بعد قومی ریاستوں نے، جنھیں استعماری کافر نے اسلامی ریاست کے ملبے پر کھڑا کیا تھا، عالم اسلام کے اندر اقلیتوں کا مسئلہ پیدا کیا۔ اقلیتوں کے مسائل کی آڑ میں استعماری کافر کے لیے ان ریاستوں کے اُمور میں مداخلت کے لیے راہ ہموار ہوئی، اس مداخلت کا مقصد ان ٹکڑوں کے مزید ٹکڑے کرنے اور تقسیم در تقسیم کا عمل اور عالم اسلام کے اوپر اپنے قبضے کو مزید مستحکم کرنا تھا۔

قومی رجعت پسند ریاست کے برعکس اسلام کے احکام یہ بتاتے ہیں کہ ریاست کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں، ایک نسل کو دوسری نسل پر کوئی برتری حاصل نہیں، نہ ہی کسی قوم کو دوسری قوم پر کسی قسم کی فضیلت دی گئی ہے، پس کوئی عربی کسی عجمی سے بہتر نہیں، سوائے اس کے کہ وہ تقویٰ میں اس سے آگے ہو۔ اس ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، پس ریاست کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حکمرانی، عدالت یا دیکھ بھال وغیرہ جیسے اُمور میں اپنے رعایا کے درمیان کسی بھی قسم کی تفریق و تمیز روا رکھے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ قومیت، مذہب یا رنگ و نسل وغیرہ سے بالاتر ہو کر سب کو ایک نظر سے دیکھے۔

اور چونکہ اسلامی ریاست "خلافت" تمام انسانوں کے لیے ایک انسانی ریاست ہوتی ہے، یہ مغربی معنوں میں کوئی مذہبی ریاست ہے، اور نہ ہی قومی۔ چنانچہ اللہ کے اذن سے جب یہ دوبارہ قائم ہو گی تو اپنے قیام کے پہلے دن سے ہی سب کے لیے امن و انصاف اور حقوق کی ضمانت دے گی، چنانچہ اسلام کے عدل اور اس کے درست نفاذ کے نتیجے میں لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اس دن کی صبح جلد اپنی کرنیں دکھائے،

اَللّٰہُمَّ اٰمِیْن، وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔